مغربی تعلیمی نظاموں کے پس پردہ کارفرما نظریات اور اہداف

The Ideologies and Goals behind European Education Systems

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Syed Ahsan Raza Zaidi
Ph.D Research Scholar, Quran & Education
Al Mustafa International University, Qom, Iran.
E-mail: ahsanzaidi572@gmail.com

Abstract:

In this paper, two issues have been examined. First, on what intellectual, philosophical and religious ideas are the educational systems prevalent in the present world based? Second, if we want to base any system of education and upbringing on the teachings of Islam, what is its starting point?

In response to the first question, the author has tried to prove in a detailed discussion that the prevailing educational systems, which are based, consciously or unconsciously, on Western thought and philosophy, are actually based on the idea of separating religion from society and politics, knowledge and wisdom, and education and training.

The author of the article has examined in detail how the idea that religion is merely a collection of personal prayers and worships of man and has no connection with the affairs of the world and its contents came to prevail in the West. According to the article, the main factors that contributed to the creation of the theory of the separation of religion from society, politics, and science and knowledge were the distorted religion of Christianity itself and its flawed teachings. Those teachings that declare man to be a born sinner and for this, the use of reason and understanding is considered a forbidden tree. In

addition to declaring the unbalanced philosophy of Christianity as the main factor in the separation of religion from society, politics, and science and knowledge, the present article also considers the emergence of modern philosophical ideas and the theory of nature in Europe as a reason for the exclusion of religion from the formulation of educational systems.

In the second part of the discussion, the author of the article has called the success of the Islamic Revolution in Iran a starting point and a winning card for establishing an educational system based on Islamic religious teachings. According to the article, the foundation of the Islamic Revolution in Iran was laid on the idea of the comprehensiveness of religion. In Imam Khomeini's ideology, Islam is a complete and comprehensive religion that completely guides man in every field of society and politics, science and knowledge, thought and philosophy, and education and training, and it provides a complete code of human life. Here, after highlighting the comprehensiveness of the religion of Islam, the author of the article has presented the fundamental differences between Western thought and philosophy and Islamic teachings in the best possible way in the results of the discussion.

Keywords: Educational system, religion, society, politics, school of nature, revolution, Islam, Christianity.

خلاصہ

پیشِ نظر مقالہ میں بنیادی طور پر دو امور کا جائزہ لیا گیا ہے۔ایک، یہ کہ موجودہ دنیا میں مروّجہ تعلیمی نظاموں کی اساس کن فکری، فلسفی اور دینی نظریات پر رکھی گئی ہے؟ دوسرا، یہ کہ اگر ہم تعلیم وتربیت کے کسی نظام کی بنیاد دینِ اسلام کی تعلیمات پر رکھنا چاہیں تو اس کا نکتہ آغاز کیا ہے؟ مقالہ نگار نے پہلے سوال کے جواب میں ایک تفصیلی بحث کے ضمن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مروّجہ تعلیمی نظام، جن کی بنیاد، شعوری یا لاشعوری طور پر مغربی فکر و فلسفے پر استوار ہے، دراصل، دین کی سماج و سیاست، علم و دانش، اور تعلیم وتربیت سے جدائی کے نظرئے پر استوار ہیں۔

مقالہ نگار نے اس ضمن میں پوری تفصیل سے جائزہ لیا ہے کہ مغرب میں کیونکر یہ فکر غالب آئی کہ دین، انسان کی محض شخصی دعاوں اور عبادتوں کے مجموعے کا نام ہے اور اس کا دنیا و مافیہا کے امور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مقالے کے مطابق، دین کی سماج و سیاست اور علم و دانش سے جدائی کے نظریے کی ایجاد میں جو عمدہ عوامل کارفرما تھے، ان میں سرفہرست، بذاتِ خود عیسائیت کا تحریف شدہ دین اور اس کی ناقص تعلیمات تھیں۔ وہ تعلیمات جو انسان کو پیدائشی گناہ کار قرار دیتی ہیں اور اس کے لئے عقل و فہم کے استعمال کو شجرہ ممنوعہ قرار دیتی ہیں۔
عیسائیت کے غیر متوازن فلسفہ دین کو دین کی سماج و سیاست اور علم و دانش سے جدائی کا بنیادی عامل قرار دینے کے علاوہ، موجودہ مقالہ، یورپ میں جدید فلسفی نظریات اور نظریہ قدرت کے ظہور کو بھی دین کی تعلیمی نظاموں کی تدوین سے بے دخلی کا موجب قرار دیتا ہے۔
بحث کے دوسرے حصے میں مقالہ نگار نے اسلامی دینی تعلیمات کی بنیاد پر کسی تعلیمی نظام کی داغ بیل ڈالنے کے حوالے سے ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کو ایک نقطہ آغاز اور Winning Card قرار دیا ہے۔ مقالہ کے مطابق، ایران کے اسلامی انقلاب کا بنیاد ہی، دین کی جامعیت کے نظریے پر رکھی گئی۔ امام خمینی کی آئیڈیالوجی میں اسلام ایک ایسا کامل اور جامع دین ہے جو سماج و سیاست، علم و دانش، فکر و فلسفے اور تعلیم و تربیت، ہر میدان میں انسان کا مکمل رہنمائی کرتا ہے اور یہ انسانی زندگی کا ایک مکمل ضابطہ فراہم کرتا ہے۔ یہاں مقالہ نگار نے دین اسلام کی جامعیت کو اجاگر کرنے کے بعد، مغربی فکر و فلسفے اور اسلامی تعلیمات کے بنیادی فرق کو بحث کے نتائج میں بہترین انداز سے پیش کیا ہے۔

کلیدی الفاظ: تعلیمی نظام، دین، سماج، سیاست، مکتب قدرت، انقلاب، اسلام، عیسائیت۔

1. تعارف

اس میں شک نہیں کہ انسان کی ہر ارادی حرکت و سکون اور سرگرمی کا بنیاد، اس کا علم اور آگاہی ہے۔ در حقیت، یہ علم و آگاہی ہے جس کے بل بوتے پر تمام انسانی فعالیت انجام پاتی ہے۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ہر انسان ایک مخصوص نظام تعلیم و تربیت میں علم و آگاہی حاصل کرتا اور تربیت پاتا ہے۔ بنابرایں، جیسا تعلیم و تربیت کا نظام ہوگا، ویسا ہی انسان کا رویّہ اور اخلاق ہوگا۔ لیکن بد قسمتی سے دنیا میں انسانی تعلیم و تربیت کا کوئی واحد نظامِ تعلیم و تربیت رائج نہیں ہے۔ اس وقت مسلم و غیر مسلم دنیا میں کم و بیش وہی تعلیمی نظام حاکم ہیں جن کی بنیاد، مغرب کے فکر و فلسفے پر رکھی گئی ہے۔

دوسری طرف بحیثیت مسلمان، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جہاں اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں مکمل رہنمائی فراہم فرمائی ہے، وہاں تعلیم و تربیت کے شعبے میں بھی اسلام نے مکمل نظام دیا ہے۔ اسلام

کے نظام تعلیم وتربیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ تاہم تحقیق کی وادی کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی محقق کسی موضوع پر تحقیق پیش کرنا چاہتا ہے تو اس کو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا اس موضوع پر پہلے سے کوئی تحقیق موجود ہے یا نہیں؟ اور اگر اس موضوع پر پہلے سے کوئی تحقیق موجود ہے تو اس کی حقیقت کیا ہے؟ سابقہ تحقیق کے ہوتے ہوئے نئی تحقیق کی کیا ضرورت ہے؟ خلاصہ یہ کہ ان سوالات کا جائزہ لینا اور اہم کام سمجھا جاتا ہے۔

اس پسِ منظر میں اگر ہم اسلام کے نظام تعلیم وتربیت کا جائزہ لینا چاہتے ہوں تو یقینا یہ دیکھنا ضرورہ ہو گا کہ آیا تعلیم و تربیت کے میدان میں پہلے سے کوئی تحقیق موجود ہے یا نہیں؟

یقیناًاس سوال کا جواب مثبت ہے کیونکہ دنیا میں اسلامی نظام تعلیم وتربیت کے مقابلے میں کئ تعلیمی نظام رائج ہیں۔ لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ مروجہ تعلیمی نظاموں کی بنیاد کن فکری اصول و مبانی پر رکھی گئ ہے؟ ان کے پسِ پردہ کیا اہداف و مقاصد کارفرما ہیں اور یہ کہ یہ نظام ایک انسان کی کیسی تربیت کرتے؟ بالخصوص یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ مروّجہ تعلیمی نظام، اسلامی تعلیمات کے ساتھ کس حد تک ہماہنگ ہیں؟ پیشِ نظر مقالہ میں ان سوالات کے تناظر میں کا اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئ ہے کہ مروّجہ تعلیمی نظاموں، بالخصوص وہ نظام جن کی بنیاد مغربی فلسفوں اور آئیڈیالوجیز پر رکھی گئ ہے، ان کے پس پردہ کارفرما یہ آئیڈیالوجیز کیا ہیں اور ان کی اسلامی تعلیمات کے ساتھ نسبت کیا ہے؟

2. دین اور تعلیم کی جدائی

مروّجہ تعلیمی نظاموں کے پس پردہ کارفرما نظریات اور آئیڈیالوجیز کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بنیادی ترین مسئلہ جس سے معمولاً غفلت برتی جاتی ہے، یہ ہے کہ ان تعلیمی نظاموں کی بنیاد میں دین کی تعلیم سے جدائی کا نظریہ پوشیدہ ہے۔ دراصل، مغرب میں دین کی تمام سماجی شعبوں، منجملہ سیاست اور تعلیم وتربیت سے جدائی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ مغرب میں دین کو ایک فردی اور شخصی امر قرار دیا گیا جس کا فریضہ محض ایک فرد اور اس کے معبود کے درمیان رابطے کی چند رسوم و عبادات بتاتا ہے۔ گویا دین سماج سے بے دخل کر دیا گیا۔ البتہ دین کی سماج وسیاست سے اس بے دخلی کی ایک مفصل داستان ہے۔ دراصل، مغرب میں قرون وسطیٰ (500-1500 AD) جو کہ تقریباً ایک ہزار سال کا دور ہے اس کی تاریخ عام طور پر: قدیم تہذیب یا قدیم یورپ، قرون وسطیٰ اور زمانہ جدید کے درمیان ۳ حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔[1] اس عرصہ میں یورپ کے اندر دین عیسائیت رائج تھا۔ اس وقت کا کلچر آج کے مغربی کلچر سے بہت فرق رکھتا تھا۔ تمام مغرب پر چرچ کی مطلق حکومت تھی اور تمام سیاسی، دینی، قانونی، اور تعلیم وتربیتی چرچ کے زیر اثر تھے۔ قرون وسطیٰ کے انسان کے لئے دین کی سیاست سے جدائی کوئی معنی

اور مفہوم نہیں رکھتی تھی۔[2] ان کی عقل کے ساتھ جنگ تھی، عیسائیت کا عقیدہ ہے کہ جب انسان کو جنت سے زمین کی طرف لایا گیا تو وہ رحمت الٰہی سے دور ہو گیا۔اب جو بھی انسان پیدا ہوتا ہے وہ گناہگار پیدا ہوتا ہے اور صرف ایمان و غسل تمعید (Baptism) اس کے گناہ کو زائل کر سکتا ہے۔ پس ایمان و حضرت عیسیٰؑ کی خصوصی عنایت اور غسل تمعید کے ساتھ ہی انسان عقل حاصل کر سکتا ہے جس کی وجہ سے عیسائیت میں ایمان عقل پر برتری رکھتا ہے اور تعقل و تدبر کی ایمان کے بغیر کوئی حیثیت نہیں ہے۔ [3]

عیسائیت میں دین کی عقل پر برتری کے نظریے کا ایک اور سبب، ارسطو کی فلسفی تعلیمات تھیں۔ دراصل، ارسطو کے علم نجوم اور بیالوجی میں بہت سے نظریات، عیسائیت کی مقدس کتاب کی تعلیمات کے برخلاف تھے۔ اس لئے چرچ نے ارسطو کے علمی نظریات کی مخالفت شروع کر دی۔[4] اس طرح یہ چیزیں مسیحت کی "عقل کے ساتھ جنگ" کا سبب بنیں۔ مسیحیت کی عقل کے ساتھ اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیت زدہ سماج میں بے عقلی اور جہل کی حاکمیت کا دروازہ کھل گیا اور علم و دانش کی نفی کی جانے لگی۔ جدید علمی نظریات کا حامل ہونے کی وجہ سے دانشمندوں کا سزائیں سنائی گئیں۔ مسیحیت کے تحریف شدہ دین کی عقل کے خلاف غیر طبیعی جنگ اور اربابِ کلیسا کے مظالم نے آہستہ آہستہ لوگوں کو مسیحیت کے دین سے بدگمان کر دیا۔

دوسری طرف چرچ نے تفتیش عقائد (The Inquisition) کے نام سے ایک ادارہ تاسیس کیا۔ اس ادارے کا کام جدید نظریات کو عیسائیت کی تعلیمات پر پرکھنا تھا اور جو نظریات عیسائیت کی تعلیمات کے مخالفت قرار پاتے، ان نظریات کو کفر اور ان کے حامل اسکالرز کو کافر قرار دیا جانے لگا اور ان کو سزائیں دینا شروع کر دی گئیں۔ ایسے افراد کو وکیل کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ یورپی تاریخ ان واقعات کو تلخ حقیقت کے طور پر بیان کرتی ہے۔[5] 1480-1488 آٹھ سال کے اس عرصہ میں 8800 افراد کو سزا کے طور پر جلایا گیا اور 96494 افراد کو سنگین سزائیں دی گئیں۔ اسی طرح 1480-1808 تک تقریباً 31912 افراد کو جلایا گیا 291450 افراد کو سنگین سزائیں دی گئیں۔

ان کوششوں کے علاوہ چرچ نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے مذہبی ایمان و اعتقادات کو بھی کمزور کر دیا جس کی وجہ سے عیسائی اخلاقیات بہت تیزی سے گرنا شروع ہو گئی اور شہوت پرستی و عیش عشرت نے اس کی جگہ لے لی اور دوسری طرف ارباب چرچ جو پہلے اپنے حواریوں کی پیروی کرتے ہوئے سادہ زندگی کو فخر سمجھتے تھے اب اس کی جگہ مال و دولت کی جمع آوری کو قدرت سمجھنے لگے اور لوگوں کی املاک و مال و دولت کو سمیٹنے لگے۔ پھر انھوں نے چرچ کے عہدوں کو بھی فروخت کرنا شروع کر دیا اور بعض صورتوں میں بشپ(Bishops عیسائی پادری) شہزادوں کی طرف سے نامزد کیے گئے تھے۔ پھر یہ اسی پر نہیں رکے بلکہ اقتدار اور مال دولت کی حوس میں لوگوں کے گناہوں کو بھی خریدنا شروع کر دیا۔ ان سے مال و دولت لیتے اور اس کے بدلہ میں گناہوں سے بخشش کی اسناد دینے لگے۔

ان تمام چیزوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ قرون وسطی کے آخر میں معجزہ، اخروی زندگی اور بہت سارے دینی مفاہیم کا انکار کیا جانے لگا اور یہ تبدیلی صرف افراد تک محدود نہ رہی بلکہ دینی مدارس تک بھی پھیل گئی۔ شہر پیرس میں بشپ نے اعلامیہ بعنوان ردالحاد جاری کیا جس میں اس طرح کے موضوعات کو بیان کیا گیا: الہی حکمت ہمارے علم میں کچھ اضافہ نہیں کرتی۔ عیسائی مذہب علم کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ سعادت اس دنیا میں ملتی ہے، آخرت میں نہیں۔[6] ان حالات میں مغربی انسان نے نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی طرف قدم بڑھایا۔ چرچ کی غلط روش و غلط عقاید اور علم و دین کا ٹکراو کرنا، فلسفہ اسکولاسٹیک کا زوال، نئے نظریات کی پیدائش، ان تمام چیزوں نے انقلاب کی راہیں ہموار کیں۔

آہستہ آہستہ یورپ میں تمام یونیورسٹیاں، ادارے اس سوچ اور نظریے پر کھڑے کیے جانے لگے کہ دین کو تمام سماجی علوم اور امور سے بے دخل کر دیا جائے۔ نتیجہ کے طور پر ایک خلا پیدا ہو گیا کہ سماجی امور اور علوم کو کن بنیادوں پر چلایا جائے؟ دین کی بے دخلی کے اس خلا کو پر کرنے کے لئے مختلف مکاتب فکر وجود میں لائے گئے۔ جہاں سماج کی تدبیر اور سیاست کے لئے لبرل ازم، سوشیالزم اور لبرل یا سوشل ڈیموکریسی جیسے مختلف مکاتب فکر سامنے آئے، وہاں علم و فلسفہ اور تعلیم و تربیت کے میدان میں میٹیریالزم، ہیومانیزم، آئیڈیالزم اور سائنسیزم، ریشنالزم اور پوزیٹوزم جیسے مکتب ابھر کر سامنے آئے۔

خلاصہ یہ کہ مغربی تعلیمی نظاموں کے خدوخال تراشنے میں عیسائیت کی تعلیمات سے دوری اختیار کی گئی اور دین کو علم و فلسفہ کی ترویج کی راہ میں رکاوٹ تصور کیا گیا۔ بد قسمتی سے یہ تصور آج تک موجود ہے اور یہ نہ فقط عیسائیت کے تحریف شدہ دین کے بارے میں، بلکہ اسلام جیسے کامل ترین دین کے بارے میں بھی پایا جاتا ہے۔ بنابرایں، اگر ہم اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر کسی تعلیمی نظام کی داغ بیل ڈالنا چاہیں تو سب سے پہلے دین کی بابت، بالخصوص دین اسلام کی بابت، یورپ میں پیدا ہونے والے اس تصور کی نفی کرنا ہوگی کہ دین، سیاست و سماج، علم و دانش، فکر و فلسفہ اور تعلیم و تربیت سے جدا، محض چند دعاوں اور عبادی رسوم و رواج کی تعلیم کا نام ہے۔

3. یورپ میں دین کی سماج و سیاست اور علم و دانش سے جدائی میں کارفرما اہم عوامل

اگر ہم مغرب میں، دین کی سماج و سیاست، علم و دانش اور تعلیم و تربیت سے جدائی میں کارفرما عوامل کا جائزہ لینا چاہیں تو اس حوالے سے درج ذیل 3 عمدہ عوامل سے آشنائی بہت ضروری ہے:

3-1) عیسائیت کا غیر متوازن فلسفہ دین

یورپ میں تعلیم و تربیت، علم و دانش اور فکر و فلسفہ کی دین سے جدائی میں موثر ایک عامل عیسائیت کے فلسفہ دین کی مختلف، بلکہ چہ بسا متصادم قرائتوں کا وجود تھا۔ در حقیقت، عیسائیت کے ناخداوں میں دین کے بارے میں درج ذیل ۳ مختلف نظریے پائے جاتے ہیں:

3-1.1) دینی پلولرزم (Religious pluralism)

دینی پلولرزم، ایک مسیحی فرقہ پریسبای ٹریان (Presbyterian) جو پروٹسنٹ کے فرقوں میں سے ایک ہے، اس کا بانی جان ھیک (John Hick ۱۹۱۲-۲۰۱۲) ہے۔ کثرت پسند (Pluralist) مکمل طور پر آپس میں ہم عقیدہ نہیں ہیں، ان میں اختلاف نظر ہے۔کچھ لوگ وحی کا انکار کرتے ہیں، بعض وحی کو قبول کرتے ہیں۔ جان ہیک وحی کا انکار کرتا ہے اور پیغمبران الہی کے پیغامات کو خدا کی طرف نہیں مانتا ہے۔ وہ گوہر و صدف (مذہبی تعلیمات) دین کو ایک دوسرے سے مختلف جانتا ہے اور کہتا ہے کہ دین کا گوہر ایک ہی ہے۔ صدف مختلف ہے۔ مذہبی تعلیمات کو جانچنے کا ہمارے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔ ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں ہے جس میں ان کا سچا اور جھوٹا ہونا پرکھا جاسکے۔ پس یہ ذاتی قدر نہیں رکھتے ہیں۔

3-1.2) انحصار پسندی دینی (Religious Exclusivism)

اس کا بانی کارل بارتھ (Karl Barth ۱۹۶۸ — ۱۸۸۶) ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ سعادت کا ذریعہ ایک ہی دین ہے۔ تمام ادیان میں حقیقت کا کچھ حصہ ہے لیکن کامیابی کی طرف آپ کو ایک ہی دین لے کر جائے گا۔ انحصار پسند کہتے ہیں کہ اگرچہ ایک مذہب یا وحی سچ ہے (عیسائیت) لیکن دیگر مذاہب کے اندر ٹکڑوں ٹکڑوں میں سچائی پائی جاسکتی ہے۔[7]

3-1.3) شمول گرایی دینی(Religious Inclusivism)

یہ ایک طرف سے انحصار پسندوں کی طرح صرف ایک دین کو برحق اور انسان کی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن دوسری طرف سے اس بات کے معتقد ہیں کہ لطف و عنایت الہی کی وجہ سے دیگر ادیان کے پیروکار بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ اس نظر کا طرفدار متکلمین کیتھولک میں سے ایک کارل رانر (Karl Rahner SJ ۱۹۸۴ — ۱۹۰۴) ہے۔

3-2) یورپ میں جدید فلسفوں کا ظہور

علم و دانش، فکر و فلسفہ اور تعلیم و تربیت کی دین سے جدائی میں ایک اور عامل جو بہت موثر طور پر کارفرما رہا، وہ دین کے خلاء کو پر کرنے والے فلسفوں کا رواج تھا۔ یہاں بنیادی طور پر ہیومنزم (Humanism) کے فلسفے نے انسان کو خدا کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور انسان محوری، گویا یورپ کا جدید دین ٹھہرا۔ قرون وسطیٰ میں ہر چیز خدا محور تھی، نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی موج نے کلیسا کے مقابلے میں ایک نیا مذہب کھڑا کر دیا اور ۱۹ ویں صدی میں ہیومنزم ایک نئے جدید مذہب "دین انسانیت" کے دائرے میں آگیا۔[8] پھر لیبر ازم(Liberalism) جس کی بنیاد آزادی ہے، قرون جدید کی تاریخ میں یہ سب سے مہم اور طاقتور عامل بنا۔ آزادی فردی، فکری، دینی، اعتقادی، تجارت یعنی اس زمانے کے سب سے بھاری چیز دینی و اجتماعی و حکومتی آزادی۔ یہ پہلی آزادی کی آواز تھی جو پروٹسنٹ نے اٹھائی۔ لیبر ازم فردی حقوق کو فطرت سے نکالتے ہیں۔ لاک (John Locke ۱۷۰۴-۱۶۳۲) اور روسو (Rousseau ۱۷۱۲ — ۱۷۷۸) کہتے ہیں: اجتماع اور حقوق، عالم طبعیت سے نکلنے چاہیے، کیونکہ قوانین

طبیعی یکساں ہیں، پس حقوق تمام افراد کے لئے یکساں ہونے چاہیے۔ یہاں سے ناسولیزم نکلا جس کا بانی روسو ہے، اس کے مطابق: معاشرے پر وحدت ملی کی بنیاد قوم، نسل، وزبان سے ہوتی ہے نہ کہ نظریہ اور آئیڈیالوجی سے۔ دینی مسائل شخصی حیثیت رکھتے ہیں اور انسان کی شخصی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انقلاب فرانس کے بعد یہ سوچ تیزی سے یورپ میں نعرہ آزادی کے ساتھ پھیل گئی، اس نے ڈیموکریسی کی شکل اختیار کی اور ۱۹ ویں صدی میں اسے ناسولیزم کا سنہری دور کہا جانے لگا۔

نہضت اصلاح دینی مارتر لوتن(Martin Luther ۱۴۸۳-۱۵۴۶) کے قیام سے شروع ہوئی اور اسی سے پروٹسٹنٹ مذہب کا ظہور ہوا۔ لوتر کی نظر میں بشپس افراد پر برتری نہیں رکھتے ہیں اور کتاب مقدس کی تفسیر کرنے کا حق صرف پاپ کو نہیں ہے۔ لوتر کے بعد اس تحریک کو کالون(Jean Calvin ۱۵۰۹-۱۵۶۴) نے سنبھالا۔ اس نے نعرہ لگایا کہ زندگی کی تمام مادی خواہشات سے پرہیز کرنا چاہیے[9]، اس کا نتیجہ سامراجیت (feudalism) نکلا۔ اقتصاد اور سرمایہ داری متوسط طبقے سے نکل گئی۔ قدرت ان کے ہاتھوں سے چلی گئی۔

۱۷ ویں صدی میں ثقافتی و سیاسی سلطنت کو اٹلی اور سپین سے فرانس منتقل ہو گیا۔ یہاں سے نیچرل سائنسز (Natural Sciences)کا دور شروع ہوا۔ فرانسیسی بیکن (Francis Bacon ۱۵۶۱-۱۶۲۶) اور ڈکارت (Rene Descartes۱۵۹۶-۱۶۵۰) نے عقل اور ایمان کے ٹکراؤ کی بحث کو اٹھایا اور تحصیل علم میں روش استقرا (Induction، منطق کی اصطلاح، قیاس جز سے کل) کو لے کر آ گئے۔ فلسفہ ڈکارت اصل جدید فکر ہے، اس نے مغربی دنیا کو اس لائن کی طرف لگایا۔ ڈکارت کے نتائج نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا:

۱۔ ایک طرف نفس جو استدلال محض ہے۔

۲۔ دوسری طرف عالم مادہ ہے جس کا حساب لگایا جا سکتا ہے۔

پس اس سے ذہن، مادہ کے مقابلہ میں آ گیا۔ ڈکارت نے کہا کہ ۳ جوہر ہیں: خدا، جسم اور نفس۔ نفس اور جسم ایک دوسرے سے کوئی نسبت نہیں رکھتے ہیں بلکہ مخالف ہیں اور تضاد رکھتے ہیں۔ مادی امور اور الہی و نفسانی امور (Supernatural) ایک دوسرے سے جدا ہیں، کوئی چیز ان کے درمیان اکٹھی نہیں ہے۔ پس دو مکتب فکر بن گئے: (مکتب) اصالت عقل و (مکتب) اصالت تجربہ۔ یہاں سے دور روشنگری(Age of Enlightenment) شروع ہوا، ۱۷ ویں صدی کے اسکالر غالبا مذہبی تھے، یہ لوگ وحی کے ساتھ عقل کے بھی قایل تھے، عقل شروع میں وحی کے ساتھ تھی، زیادہ تر افراد اسکالر جو دینی تفکر رکھتے تھے، وہ مانتے تھے کہ خدا فطرت(Nature) میں مداخلت رکھتا ہے، یعنی اس کو چلا رہا ہے۔ جب کے اس کے بعد جدید سوچ یہ کہتی تھی، خداوند ایک معمار ہے، جس نے دنیا کو ابتدا میں خلق کیا اور اس کے بعد چھوڑ دیا، آہستہ آہستہ یہ اعتقاد چھوڑ دیا کہ خدا نظام فطرت کو چلا رہا ہے۔ اسی صدی میں وہ نظریہ کہ سورج مرکزی حیثیت رکھتا ہے (جو کہ نکولس کوپرنیکسNicolaus Copernicus نے دیا

تھا)، گلیلیو(Galileo ۱۵۶۴-۱۶۴۲)اور کیپلر (Kepler) کے ذریعے اس کی تائید ہوئی۔ دنیا کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب مقدس(Bible) کے ساتھ تضاد رکھتا ہے(عیسائیت کی طرف سے گلیلیو پر مقدمہ بھی چلایا گیا، اس کو نظر بند کر دیا گیا)، پس یہ بھی دین کو خارج کرنے کا باعث بنا کہ دین کے نظریات کا انکار کیا جائے۔

۱۷ ویں صدی کے نصف میں نیوٹن(Newton ۱۶۴۷ـ۱۷۲۷) اور اس کے پیروکاروں نے گلیلیو کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے جامع میٹافزیکس(Comprehensive Metaphysics) کی طرف قدم اٹھایا اور نظام نیوٹن نے دنیا کو جدید ترین مشین (Sophisticated Machine) سے متعارف کرایا۔ دنیا ایک پیچیدہ مشین کی طرح ہے، اس میں ایک میکانزم پایا جاتا ہے، اس کے خاص قوانین ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس چیز کا کیا کام ہے، ان کو معلوم کرنے سے اور ان پر عمل کرنے سے ہم پیشنگوئیاں کر سکتے ہیں۔ نیوٹن کہتا تھا نظام فطرت کو متوازن رکھنے میں خدا شریک ہے لیکن لاپلاس(Laplace) اس سوچ کے مخالف تھا۔ قرون وسطیٰ میں ہر کام خدا کی طرف وابستہ کرتے تھے، جو علمی چیز سمجھ نہیں آتی تھی، وہ خدا کی طرف ڈال دیتے تھے۔ جوں جوں ایجادات ہوتی رہیں، نا معلوم چیزوں کا علم ہونے لگا، اب خدا کی جگہ کم ہوتی گئی، خدا کو رخنہ ڈالنے والا(The God of Penetration) کہا جانے لگا۔

۱۔ مرحلہ اول میں عقل و وحی کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرتے تھے اور ایک حقیقت جانتے تھے، اصالت عقل والے کہتے تھے کہ کائنات میں ایک نظم پایا جاتا ہے، کوئی خدا ہے جو اس نظم کو چلا رہا ہے۔ اس خلقت کو دیکھ کر خدا کو پہچان سکتے ہیں۔ اس میں تضاد نہیں ہے، یہ لوگ خدا کے انکار کی طرف نہیں گئے۔ اس نسل کو روشنفکر کہا جانے لگا جو دین الٰہی اور دین فطری دونوں کی معتقد تھی۔

۲۔ مرحلہ دوم میں روشنفکر افراد نے عقل کو وحی کی جگہ پر محوریت دے دی، یہاں تک آگے بڑھے کہ خدا نے دنیا بنا کر چھوڑ دی ہے۔ لاپلوس کہتا ہے کہ علم (Science) نے قوانین کی اتنی علمی وضاحت کر دی ہے کہ اب اس فریضہ کی ضرورت نہیں رہی کہ کائنات کو چلانے میں خدا کی کوئی شراکت ہے۔ اب یہ خود قوانین ہیں کہ جو کائنات کی وضاحت کرتے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں جہاں علمی نظریات نہ پیش کر سکے وہاں پر اس کو خدا کی طرف منصوب کر دیا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہم جہاں پر علمی وضاحت کر دیں گے وہاں خدا کی ضرورت نہیں ہے، اس کو نیچرل تھیالوجی (Natural Theology) کہا جانے لگا۔ وحی کی جگہ نیچرل تھیالوجی آ گئی۔

۳۔ مرحلہ سوم میں روشنفکر (Intellectual) نے شکاکیت (Skepticism) کے دور کی طرف قدم اٹھایا، دین فطری تھا، اس پر بھی اعتراض کر دیا، معجزات پر بھی اعتراض ہونے لگا۔ بعد میں جہاں پر خدا کی ضرورت بھی تھی، وہاں پر بھی خدا کو نکال دیا گیا۔ خدا کے، ارادہ خدا کے اور روح کی بقا کے منکر ہو گئے، وہ مادہ کو مستقل

اور قدیم کہنے لگے، صرف فطرت(Nature) پر اعتماد کرنے لگے اور مفہوم خدا کو لوگوں کے درمیان جہالت اور خوف جاننے لگے۔

رمانٹکزم(Romanticism) آرٹس، فنکار، موسیقی اور ادب میں ایک تحریک جو روشنفکر کے رد عمل کے طور 18 ویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئی، جس نے حوصلہ افزائی، تابعیت(Subjectivity)، اور انفرادگی کی پرورش پر زور دیا۔ یہ وجدان (Intuition) کو عقل سے مہم تر مانتے تھے۔ خدا کو اور روح انسان کو دوبارہ زندہ کیا لیکن یہ عقل اور ٹیکنالوجی سے بدگمان تھے۔ روسو اس کے بانیوں میں ہے جو کہتا تھا کہ اخلاق کے اہم ترین مسائل میں احساسات یقینی پر اعتماد، عقل واستدلال سے زیادہ معتبر ہے۔[10]

اس کے بعد فلسفہ ہیوم آیا جو پہلی بار دینی امور میں شکاکیت لے کر آیا۔ ہیوم (۱۷۱۱-۱۷۷۶) جو تجربی علوم کی تاکید کرتا تھا، یہ حس کے علاوہ کسی معرفت کا قایل نہیں تھا، جتنے بھی علمی نتائج ہیں وہ مشاہدات تجربی کی وجہ سے ہیں، اس لئے یہ امور دینی کو (جو کہ غیر محسوس ہیں) غیر قابل شناخت اور غیر منطقی سمجھتا تھا۔ مفہوم علت پر بھی اعتراض کرتا تھا، خدا کے اصلی علت (علت اولی) ہونے کی دلیل کا انکار کرتا تھا۔ برہان نظم کا انکار کرتا تھا۔ ہم دلیل سے نہ خدا کو ثابت کر سکتے ہیں نہ ہی اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ اس کے زمانے کے جو آراء و نظریات رائج تھے، ہیوم ان پر شک کرتا تھا۔ یہ مکتب اصالت فایدہ کا بھی پیش کرنے والا ہے، اس مکتب میں تمام انسان کے کاموں کی فایدہ کے میزان میں قضاوت کرتے تھے۔ روسو بھی ہیوم کی طرح عقل کی ہدایت پر شک کرتا تھا، روسو کہتا ہے: عقل ہمیں اکثر اوقات فریب دیتی ہے جبکہ ہمارا وجدان کبھی فریب نہیں دیتا ہے۔ عقل پر تنقید کرنے کی وجہ سے روسو کو اولین اسکالر پوسٹ ماڈرنزم (Post Modernism) کہا جاتا ہے۔

کانٹ (۱۷۲۴-۱۸۰۴) نے علم و دین میں ایک جدید روش دی۔ یہ اس بات میں ہیوم کے موافق تھا کہ حس کے علاوہ کوئی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔[11] لیکن کہتا تھا کہ ذہن حسی نہیں ہے۔ وہ کہتا تھا کہ معرفت حس اور ذہن کے قالبوں، دونوں میں ہے جو فہم کی تصاویر (صور فاہمہ، Photos of Fahima) سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی نظر میں دین مکمل طور پر علم (Science) سے جدا ہے۔ اس نے علم و دین میں ٹکراؤ کی بحث کو ختم کرنے کے لئے عقل کو عقل عملی اور نظری میں تقسیم کیا۔ عقل نظری کا کام فطرت کی شناخت اور عقل عملی کا کام اخلاق کا میدان (Domain) ہے۔ کانٹ کہتا ہے کہ اخلاق کو کسی وجہ سے بھی اپنی خاطر، دین کی ضرورت نہیں ہے[12, 13] پس کانٹ کا یہ نظریہ علم و دین میں جدائی کا باعث بنا۔ یہاں سے سیکولرزم کا آغاز ہوا، دین جب دنیا سے جدا کیا گیا تو اس کی کمی پوری کرنے کے لئے نئے نئے نظریات لائے گئے جو سب سیکولرازم میں سماتے ہیں۔

کانٹ کے بعد ۱۹ ویں صدی میں صنعتی انقلاب آیا، شوشلزم کے جدید اصول متعارف ہوئے، ڈارون کے نظریات آئے، ڈارونزم آگیا۔ انسان اتفاقی طور پر آیا، انسان میں تنازع بقا، فطرت کی وجہ سے ہے۔ تکامل انسان کا نظریہ

آیا۔ مغرب نے ڈارون کے نظریات کی خود تشریح کی اور زندگی کے قوانین نکالے گئے: برہان نظم، اخلاق کی بنیاد، کتاب مقدس و مقام، منزلت انسان کو بے اعتبار کر دیا گیا۔ سیکولرازم، ترقی کا دور اور تکامل کا تفکر آگیا۔ مغرب نے اصول نکالا کہ تنازع بقا، نوع بشر کے درمیان اپنی بقا کے لئے موجود ہے۔

اس نظریہ نے لبرل ازم اقتصادی کی تائید کی اور لبرل ازم اقتصادی نے سرمایہ داری (Capitalism) کی راہ ہموار کی جس کی وجہ سے رئیس قدیم کی جگہ رئیس جدید کے پاس دولت آگئی۔ نظریہ ڈارونزم کی توسیع میں سامراجیت (Imperialism) یا استعماریت بنا، کیونکہ اس کے مطابق تنازع بقااب صرف افراد کے درمیان نہیں رہا بلکہ نسلوں، قبیلوں، ملکوں کے درمیان تقسیم ہو گیا، پس ڈارونزم حیاتیات (Biology) سے نکل کر دنیا کی سیاست میں آگیا۔[14] استعمار کے دو توانا اور قدرت مند بازو بن گئے ایک ناسولزم (وطن پرستی و قومی برتری پر اعتقاد)، دوسرا ڈارونزم۔ ناسولزم سیکولزم کے ساتھ ناٹوٹنے والا اشتراک (Unbreakable Bond) رکھتا ہے۔[15, 16] دین خدا سے مربوط ہے اور وطن، عوام سے مربوط ہے۔ یہی نظریہ سبب بنا تھا کہ دنیا دو قطبوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کے بعد شوشلزم لایا گیا، یہ ایک سیاسی و اقتصادی فرضیہ ہے جس کی بنیاد پر تمام وسائل و عوامل تولید و اشیاء حکومت کی نظر میں انجام پائیں۔ مکمل صورت شوشلزم کی کیمونزم میں دیکھتے ہیں۔

کلچر، فکری، اجتماعی، اقتصادی و سیاسی تبدیلیاں جو نشاۃ ثانیہ کے بعد آئیں، ان کو مجموعی طور پر ماڈرنزم (Modernism) کہا جاتا ہے۔ مڈرنزم یعنی دنیا، فطرت، انسان و علم کے بارے میں نئی نظر ڈالنا، نئے نظریات دینا۔ اس کی اصل خصوصیت تجربی علوم، ٹیکنالوجی میں بڑھوتری، ترقی کرنا اور پھیلاؤ ہے، علم و عقل انسان کو ایک اوزار کے طور پر فطرت کو سمجھنے اور وضاحت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ایک علمی اور عقلانی انسانی نقطہ نظر (Approach) جو مختلف اجتماعی علوم کی فیلڈ جیسے اقتصاد، سیاست، اخلاق وغیرہ میں معتبر یقینی بنیادیں اور اصول فراہم کرے جو مختلف فیلڈ میں ہماری رہنمائی کر سکیں۔ بنیادی ترین محور مڈرنزم کا انسان محوری ہے، خود مختار و مستقل انسان، انسان قانون کو بنانے والا اور قانون کا اجراء کرنے والا ہے۔

بعض مفکرین سیکولرازم کو ماڈرنزم کی بنیادی اور اصلی ترین خصوصیت سمجھتے ہیں۔ مڈرنزم میں سیکولرازم آگیا۔ ہربرٹ مارکوس (Herbert Marcuse ۱۸۹۸-۱۹۷۹) مڈنزم معاشرے میں جو کلچر حاکم ہے، اس کو غیر دینی اور زیر تسلط فطری و مادی طاقتوں میں جانتا تھا۔[17] اس تفکر نے نیا معاشرہ، نیا تمدن دے دیا۔ یہ تمدن دینداری کو ماڈرنزم کے مقابلے میں سمجھتا ہے۔ قرون وسطی میں ساری مشروعیت دین سے تھی۔ ماڈرنزم نے دین اور خدا کو ختم کر دیا، عقل بغیر وحی کے لے آئے۔ پھر کہا کہ علم و معرفت بھی مقدس نہیں ہے۔ معرفت عصری ہوتی ہے، ہر معرفت اپنے دور کے خاص حالات کا حصہ ہوتی ہے، یہ فکر نظریہ ہرمیونٹکس (Hermeneutics) کی بنیاد بنا۔ شلایر ماخر (۱۷۶۸ — ۱۸۳۴ Friedrich Daniel Ernst Schleiermacher) کو ہرمینوٹکس

جدید کا پیشرو کہتے ہیں۔ تفکر ہرمینوٹکس یہ ہے کہ کوئی بھی معرفت الٰہی ایسی نہیں ہے جو ہمیشہ چلنے والی ہو۔ پہلے جو لوگ کہتے تھے کہ خدا قادر و مطلق ہے، قہار و جبار ہے، اس سوچ کی وجہ یہ تھی کہ وہ ڈکٹیٹر کے زمانے میں زندگی گزار رہے تھے۔ پس دین زمانے کے خاص حالات کی وجہ سے تھا۔ اب وہ حالات بدل گئے ہیں، پس اسکی ضرورت نہیں ہے۔ ڈکٹیٹر شپ تھی، اسکی وجہ سے خدا تھا۔ اس وقت اسی بنیاد پر دین میں دینی معرفت کے عنوان سے چیلینجز ہیں۔ اب کلام جدید میں موضوع معرفت دینی کی ایک بحث جاری ہے۔

موجودہ دور میں فلسفہ دین کی اہم ترین ابحاث میں سے ایک بحث دینی کثرتیت (Religious pluralism) کی بحث ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ تمام ادیان بر حق ہیں اور تمام ادیان میں یہ توانائی ہے کہ وہ اس کے پیروی کرنے والے کو سعادت کی طرف لے جائے، اس وجہ سے اب آپ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں کہ صرف ایک دین حق پر ہے۔ اب ایک صراط مستقیم نہیں ہے بلکہ کئی صراط مستقیم ہیں۔ اس تفکر کی وجہ سے ادیان کے درمیان تنازع حق و باطل ختم ہو جائے گا یعنی سب دین حق ہیں کوئی باطل نہیں ہے۔ مغرب میں پلولزم دینی پروٹسٹنٹ کی حرکت (جو یورپ میں ہوئی) کی وجہ سے آئی۔ یہ ان حادثات کا نتیجہ ہیں جو نہضت اصلاح دینی مارٹر لوتن و کالون اور کیتھولک کے درمیان چپکلش و یورپ میں ۳۰ سالہ مذہبی جنگیں ہوئیں۔[18]

3-3) یورپ میں مکتبِ قدرت کا ظہور

دین کی علم و دانش سے جدائی میں موثر، ایک اور عامل، مکتبِ قدرت کا ظہور تھا۔ ۱۶ویں صدی میں سائنس اور منطق میں انقلاب آیا۔ اس انقلاب کی بنیاد ایک نظریہ تھا جس کا نام مکتب قدرت ہے۔ مکتب قدرت کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں آیا ہے اور وہ کمال تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس مکتب کی نظر میں انسان کا کمال، قدرت میں ہے۔ انسان کا نقص عجزہ و ناتوانا ہونا ہے پس اسکو عجز و ناتوانائی سے دور رکھنا چاہیے جہاں پر زور ہوگا وہ حق ہے۔ ان کے مطابق عدالت کوئی حقیقت نہیں ہے پس طاقت کا قانون ہے جو طاقتور ہے وہ حق پر ہوگا جو کمزور ہے وہ ناحق ہے۔

یہ کوئی جدید نظریہ نہیں ہے اس نظریہ کی عملی شکل کو ہم قدیم یونان کے زمانے میں جو سوفسطائی تھے ان میں دیکھ سکتے ہیں۔ انکا یہ نظریہ تھا۔ ان کا مقابلہ سقراط، افلاطون، ارسطو نے کیا اور ان کا زور ختم کر دیا۔ پھر عیسائیت کا دور آگیا جو کمزوری کا پرچار کرتی تھی۔ پھر یورپ نے دوبارہ اس نظریہ کو زندہ کیا۔ یورپ میں اس نظریہ کو زندہ کرنے والا پہلا شخص میکیاولی (۱۴۶۹-۱۵۲۷)[19] تھا۔ اس کو سیاسی فلسفہ کا بانی کہا جاتا ہے۔ یہی شخص سیکولرزم کا بانی بھی ہے۔ یہ اس نظریہ کو سیاست میں لے کر آیا۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ: "اقتدار اعلیٰ قدرت مند کے پاس ہو۔ جھوٹ، فریب، مکر، جھوٹی قسمیں، خیانت کرنا، حق سے روگردانی کرنا طاقت کے لئے جائز ہے۔ دینی پیشوا رحم و محبت کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن یہ خصوصیات باعث ضعف ہیں۔ معیار اخلاقی وجود نہیں رکھتا ہے، کامیابی

اور ناکامی ہے جو کہ فضیلت اور رذیلت کا تعین کرتی ہے، نہ کہ نفس امر۔ وہ چیز جو بادشاہ کے سلوک و برتاو کو تعین کرتی ہے وہ اس کی قدرت کو بڑھانے والی خواہش ہے۔"[20]

3-3.1) علم میں نظریہ قدرت

پھر اس نظریہ کو علم میں داخل کیا گیا۔ اس کے بنیاد گزار فلسفی ڈیکارٹ اور فرانسیس بیکن (۱۵۶۱-۱۶۲۶) ہیں ان میں بالخصوص بیکن ہے اس کو جدید علم و دانش کا علمبردار کہا جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ قدرت کو حاصل کرنے کے پیچھے تھا، اور کئی بار اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی کرتا تھا۔[21] اس نظریہ علم نے تمام گذشتہ نظریات کو بدل دیا۔ یہ جہان علوم کی ترقی اور انسان کی فطرت پر غیر معمولی تسلط کا موجب بنا وہاں انسانوں کے فاسد اور گمراہ ہونے کا باعث بنا۔ انسان کو انسان کے ہاتھوں برباد اور فاسد تر کر دیا۔ بیکن سے پہلے فلسفی اور مذہبی راہنما علم کو قدرت و طاقت کے حصول کی خاطر نہیں بلکہ حقیقت تک پہنچنے کی خاطر استعمال کیا کرتے تھے۔ علم یعنی حقیقت تک پہنچنا۔ اس لئے علم مقدس تھا دنیاوی فائدے سے بلند اور مادی امور سے بلند تر تھا علم مال و دولت کے مقابلے پر تھا۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: علم کی شناسائی ایک دین ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے اس سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے یاد رکھو علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم۔ لیکن اس نظریہ نے علم کو زندگی کی خدمت پر لگا دیا۔ آج اچھا علم وہی ہے جو انسان کے کاروبار زندگی میں مددگار ہو، انسان کو طاقت دے اور فطرت پر مسلط کر دے۔ آج علم و تحقیق کا راستہ بدل گیا۔ رخ فطرت کے اسرار اور رموز دریافت کرنے کی جانب مڑ گیا تاکہ انسان فطرت پر مسلم ہو جائے۔ ایک لحاظ سے بنی نوع کی خدمت کائنات کے اسرار دریافت کرنے میں لگ گیا اس پہلو سے اچھا ہے لیکن کائنات کے اسرار دریافت کرنے کا مقصد حقیقت تک پہنچنا نہیں بلکہ اس لئے کہ انسان فطرت پر تسلط حاصل کرے اور قدرتی وسائل کو طاقت کی خدمت میں لے آئے۔

پس علم نے اپنا آسمانی اور روحانی پہلو مادی پہلو کے سپرد کر دیا اور اپنا تقدس اور اعلیٰ مقام کھو دیا۔ پہلے علمی محفل میں باوضو اور پاک ہو کر جاتے تھے، طلباء دل کی گہرائیوں سے استاد کا احترام کرتے تھے، اگر کوئی دولت کی خاطر علم حاصل کرتا تو دل میں شرم محسوس کرتا تھا۔ لیکن آج جدید نظام تعلیم بیکن کی ڈگر پر چل رہا ہے۔ آج کا طالب علم، علم حاصل کرتا ہے تاکہ آئندہ زندگی میں دولت کمائے۔ ایک شخص یونیورسٹی سے انجینئر یا ڈاکٹر بنے تاکہ بہتر زندگی گزارے۔ اس میں اور ایک تاجر میں جو بازار میں جاتا ہے، دولت کمانے کے لئے تاجر کا شاگرد بنتا ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تعلیم و تعلم کا عمل آج اپنا تقدس مکمل طور پر کھو چکا ہے۔ بیکن آیا، اس نے علم کو طاقت کی خدمت میں دے دیا۔

دانش ودانائی صرف توانائی کے لئے ہے۔ یہاں پر ہر چیز قدرت اور طاقت کی خدمت میں لگ گئی ہے۔آج کی دنیا علم کی نہیں بلکہ طاقت کی دنیا ہے۔ علم ہے لیکن آزاد نہیں یہ علم طاقت اور جبر کی خدمت میں ہے۔ نوبت یہاں تک کہ ہر چیز طاقت کی خدمت کرنے لگی۔ علم کبھی اتنا قیدی نہیں بنا اور طاقتوروں کی خدمت میں نہیں تھا جتنا آج ہے۔آج علم طاقتوروں کی خدمت میں دنیاکے فلسفی، صاحب علم طاقتوروں کے قیدی بن گئے مثلاً آئن سٹائن روز ویلٹ کی خدمت میں، علم امپریلزم کے کیمپ میں ہو یا سوشلزم کے کیمپ میں ہو فرق نہیں پڑتا۔ یہ علم نہیں بلکہ طاقت ہے جو دنیا چلارہی ہے پس ہماری دنیا طاقت کی دنیا ہے جو اختراع یا انکشاف ہوتا ہے اسے طاقت کی خدمت میں لگادیا جاتا ہے پہلے انکشاف کو خفیہ رکھا جاتا ہے کیونکہ طاقت کو اس کی حاجت ہوتی ہے اور جب ضرورت سے زائد ہو جاتا ہے تو زندگی کے دوسرے شعبوں کی خدمت میں بھیج دیا جاتا ہے۔

3-3.2) اخلاق میں نظریہ قدرت

پھر اس نظریہ کو اخلاق میں لایا گیا اس کا بانی فریڈرک نٹشے، جرمنی کا فلسفی (1844-1900) ہے۔ نٹشے جرمنی کا فلسفی تھا یہ مصنف بھی تھا۔ اس نے طاقت کو اخلاق کی بنیاد قرار دیا۔ اس نے کہا کہ دین کمزوروں نے بنایا ہے۔ نفس پروری کرو۔ کمزور طاقت کی خدمت کے لئے ہے۔ مرد طاقتور ہے اور عورت کمزور پس وہ مرد کی خدمت کے لئے ہے۔اس نے ڈارون کے اصولوں سے غلط فائدہ اٹھایا۔ ڈارون نے اصول تنازع (اپنی بقاء کی خاطر جنگ) دیا۔ جاندار ایک دوسرے سے جنگ کی حالت میں ہوتے ہیں اور جو طاقتور ہوتے ہیں وہی باقی رہتے ہیں۔

نٹشے، اس اصول کو انسان کے اخلاق میں لے آیا۔ وہ کہتا ہے کہ انسان میں بھی تنازع بقا ہے، جو طاقتور ہوگا وہی باقی رہے گا۔ فطرت برتر انسان کی طرف سفر کرتی ہے اور ساتھ ہی طاقتور انسان میں ضعیف پرور اخلاق نہ ہوں یعنی محبت، مہربانی، عفت، پاکدامنی، عدالت، احسان، خدمت خلق وغیرہ یہ تمام کمزوری کی علامتیں ہیں وہ سقراط کا بھی دشمن ہے اور مسیح کا بھی دشمن ہے۔ وجود زندگی کا طالب ہے اور زندگی کی خواہش درحقیقت طاقت کی خواہش ہے۔ انسان کا نفس زیادہ سے زیادہ طاقتور ہو یہ میلانات اور مطالبات سے بھرا ہوا ہو یعنی دنیاکے مزے لوٹو جو اس مقصد کے حصول کے لئے مددگار وہ اچھی چیز ہے چاہے وہ سنگدلی، بے رحمی، مکر وفریب، جنگ و جدال ہو اور جو اس مقصد کے حصول کے خلاف ہو وہ بُری چیز ہے خواہ وہ سچائی، مہربانی، فضیلت اور تقویٰ ہو۔ قبیلے، قومیں یکساں حقوق نہیں رکھتے ہیں۔ لوگ دو گروہ میں تقسیم ہوتے ہیں: آقا لوگ اور غلام و ماتحت لوگ اور دنیاکے وجود میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ آقا لوگ غلام پر حکومت کریں (جوانرو کے خانہ بدوشوں کے ایک گروہ سے امام خمینیؒ کا خطاب ۲۶-۸-۱۹۷۹)۔[22] پس بیکن، نٹشے اور میکیا ولی تینوں کا راستہ ایک ہی ہے یعنی علم بھی استعمار کی خدمت میں، اخلاق بھی استعمار کی خدمت میں، توانائی بھی استعمار کی خدمت میں اور سیاست بھی استعمار کی خدمت میں۔

4. دینی تعلیمات کی اساس پر استوار نظامِ تعلیم کی داغ بیل

جیساکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، اگر ہم تعلیم وتربیت کے نظام کی اسلامی تعلیمات کی اساس پر داغ بیل ڈالنا چاہیں تو سب سے پہلے، مغربی اور مروّجہ تعلیمی نظاموں کے پسِ پردہ کارفرما نظریات اور آئیدیالوجیز سے نہ تنہا گہری آشنائی ضروری ہے، بلکہ ان تمام نظریات اور آئیڈیالوجیز کی نفی بھی ضروری ہے۔ اس حوالے سے مسلمان امت کے پاس ایک Winning card ایران میں آنے والا اسلامی انقلاب ہے۔ درحقیقت، امام خمینیؒ کی رہنمائی میں ایران میں آنے والے اسلامی انقلاب نے عالمی سطح پر ایک اہم ترین اثر یہ چھوڑا کہ اس نے یورپ کے دین کی سماج و سیاست، علم و دانش، فکر و فلسفہ اور تعلیم وتربیت کے دعوے کو یکسر مسترد کر دیا۔

درحقیقت، ایران کے اسلامی انقلاب نے خود کو دینی، اسلامی آئیڈیالوجی کے عنوان سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس انقلاب نے دین مبینِ اسلام کے ایک جامع دین ہونے کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے مطابق، اسلام تمام دنیا پر حکومت کے لئے خاص نظریات و افکار اور ان کے اجرا کے لئے پروگرام رکھتا ہے۔ انقلاب اسلامی نے مغربی تمدن کے ساتھ مبارزہ آرائی شروع کی۔ تمام ملتوں کو بیداری و آگاہی دی۔ امام خمینیؒ نے سماج و سیاست، علم و دانش اور تعلیم وتربیت، سب کے لئے دین کی تعلیمات کو مساوی طور پر محور و مرکز قرار دیا۔ آپ نے مغرب کے دین کی سماج سے جدائی کے نعرے کی وجہ سے پسے ہوئے تمام مظلوموں کی فریاد رسی کا نعرہ لگایا: "ہمیں چاہیے مستضعفین (مظلومین) جھان کی مدد کریں، اسلام مسلم اور غیر مسلم ملکوں میں فرق کا قایل نہیں ہے بلکہ وہ تمام مظلومین جھان کا مددگار ہے۔"[23]

انقلاب اسلامی ایران نے اپنے کام کا آغاز جس مرکزی نقطہ سے کیا، وہ نقطہ یہ تھا کہ دین، ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ دین، انسان کی دنیا و آکرت کے تمام امور کا محور اور مرکز ہے۔ مرکز سے سارے کاموں کا اجرا ہوتا ہے، اس جگہ سے سارے کام پھوٹتے ہیں، تمام کاموں کی ابتدا مرکز سے ہوتی ہے۔ جو کچھ مرکز سے نکلے گا وہی ہر جگہ نظر آئے گا یعنی جو چیزیں نظر آئیں گی وہ مرکز کا حصہ ہو گی۔ ہر چیز اپنے مرکز کی طرف پلٹتی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کسی چیز کو آلودہ کریں تو اس کے مرکز میں گندگی ڈال دیں۔ اس کے بر عکس آپ کسی چیز کو پاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مرکز کو پاک کر دیں وہ چیز صاف ہونا شروع ہو جائے گی۔ جب آپ چاہتے ہیں کسی چیز کو ختم کرنا تو اس چیز کو مرکز سے قطع کر دیں، جیسے ہی وہ چیز مرکز سے ٹوٹے گی، آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو جائے گی۔ اس کے بر عکس آپ چاہتے ہیں کسی چیز کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں اس کو مرکز سے جوڑ دیں وہ چیز مضبوط ہونا شروع ہو جائے گی۔

انقلاب اسلامی نے آ کر یہ نعرے دیئے: دین اسلام کسی خاص علاقے سے مربوط نہیں ہے، اسلام بشریت کے لئے آیا ہے، مسلمانوں کے لئے نہیں اور نہ ہی ایران کے لئے۔ قرآن کئی جگہ پوری انسانیت کو مخاطب قرار دیتا ہے: یَا

أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21:2) "اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی بندگی کرو جس نے تمہیں اور تم سے سابقہ لوگوں کو پیدا کیا، شاید کہ تم دنیا وآخرت کے برے انجام سے بچ جاو۔" دین کے اسی آفاقی خطاب کو مدّنظر رکھتے ہوئے امام خمینی نے فرمایا: "دین اسلام میں نسل پرستی، گروہی اور طبقاتی نظام کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور نہ ہی زبان کے لحاظ سے کسی کو ترجیح حاصل ہے۔[24] دین اسلام اس لئے آیا ہے کہ انسانوں کو ایک عادلانہ نظام میں پروئے، یعنی کوئی بشر دوسرے بشر پر ذرہ برابر بھی تجاوز نہ کرے۔ دین اسلام چاہتا ہے کہ انسان کو ہر لحاظ سے ایک عادل انسان بنائے۔[25]

5. دین کا جامع ہونا

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: اسلام نہ صرف رُوحانی امور بلکہ مادی امور کی طرف بھی دعوت دیتا ہے یعنی تمام پہلووں کی طرف توجہ دلاتا ہے پس اسلام کا ہدف انسان کی تمام جہتوں (پہلووں) سے تربیت کرنا ہے۔[26] اسلام دیگر غیر توحید مکتبوں کے برعکس، ایسا مکتب ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوں (فردی، اجتماعی، مادی، معنوی، ثقافتی، سیاسی، نظامی و اقتصادی) میں دخالت اور نظارت رکھتا ہے اور کسی بھی نکتہ کو جو تربیت انسان و معاشرہ اور پیشرفت مادی و معنوی میں اہمیت رکھتا ہے، اس کو بیان کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔[27] دین عین سیاست ہے،اسلام کا مذہب سیاست ہے، اس کی سیاست عبادت میں ہے اور اس کی عبادت سیاست میں ہے، یعنی تمام جوانب عبادی، جوانب سیاسی رکھتے ہیں۔[28] مسجد اسلام کی سیاست کا مرکز ہے، روز جمعہ کے مطالب سیاسی ہیں، جنگوں سے مربوط مسائل، سول پالیسی سے مربوط مسائل، یہ سب مسجد سے نکلتے ہیں، رسول اکرم ﷺ سے لے کر حضرت امام علیؑ کے زمانے تک یہ مسجد سے اجرا ہوتے تھے۔[29]
رسول اکرم ﷺ معاشرے کو تشکیل دینے کے لئے اور امور کو اجرا کرنے کے لئے مسلمانوں کی طرف مقرر کیئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ وحی کا پہنچانا، عقائد کو بیان کرنا وتشریح کرنا، نظامات اسلامی کا بیان کرنا اور برقرار کرنا، احکامات کا اجرا کرنا، یہ تمام کام اس لئے تھے تاکہ حکومت اسلام وجود میں آسکے۔

6. نتائج

اس تمام بحث سے ہم درج ذیل نتائج نکالتے ہیں:
ا۔ چیزوں کو سطحی نظر سے نہیں بلکہ گہری نگاہ سے دیکھنا چاہیے، ظاہر کے پیچھے باطن کا مشاہدہ کریں۔ جب بھی آپ کسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں سب سے پہلے اس مسئلے کی بنیاد دیکھیں اگر آپ نے مسئلہ کی جڑ کو ختم کردیا تو مسئلہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

۲۔ انبیائے کرام کی زندگیوں کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ دو محاذوں پر کام کیا ہے: لوگوں کی انفرادی تربیت اور معاشرے کی اجتماعی تربیت، جس میں بنیادی کام اپنے وقت کے ظالموں کے خلاف کام کرنا ہے یعنی مظلومین کو ظالمین کے شر سے نجات دلانا۔

۳۔ انقلاب اسلامی نے خود کو ایک آئیڈیالوجی کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

۴۔ جز کو دیکھ کر کل پر حکم لگانا۔ ایک حصہ کو دیکھ کر آپ نے مکمل چیز پر حکم لگا دیا۔ سادہ سی مثال ہے کہ ایک ڈاکٹر نے مجھے دھوکہ دیا تو میں پوری ڈاکٹری کو خراب کہہ دوں، یہ کہاں کا انصاف ہے۔ دین عیسائیت میں مسائل تھے، اس کی تحلیل کرنے کی بجائے آپ نے کلی طور پر دین کو ہی خراب کہہ دیا، اسے معاشرے سے نکال دیا۔ تمام ادیان کو نقصان دہ قرار دے دیا۔ حالانکہ یورپ و مغرب کو علم و ہنر، فکر، سائنس وغیرہ دین اسلام نے ہی متعارف کروائی۔

۵۔ اس سے کیا فرق پڑا معاشرے پر۔ کیا معاشرے کو فائدہ ملا؟ صرف یہ فرق پڑا کہ پرانے ظالم کی بجائے نئے ظالم آگئے، پرانے جاگیرداروں کی جگہ نئے جاگیردار آگئے، رئیس قدیم کی جگہ رئیس جدید آگئے۔ لوٹنے کے طور طریقے بدل گئے، نئے انداز آگئے۔ غلامی کا نیا انداز آگیا، اب لوگ فکری طور پر غلام ہو گئے ہیں، ان کی سوچ و فکر غلامانہ بنا دی گئی ہے۔

۶۔ اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کے فرق کو اس چارٹ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

اسلامی تعلیمات	مغربی افکار و نظریات
1. خدا ہے۔ 2. وحی و نبوّت ہے۔ 3. حکومت کا حق خدا کے نمائندوں کو حاصل ہے۔ 4. ادنیا کے بعد آخرت ہے۔ 5. حقیقی سعادت آخرت کی لذتیں ہیں۔	1. انسان ہے۔ 2. وحی و نبوّت نہیں، صرف عقل اور سائنس ہے۔ 3. حکومت کا اختیار صرف انسان کو حاصل ہے۔ 4. یہی دنیا، جنت و جہنم ہے۔ 5. سعادت صرف دنیاوی لذتوں کے حصول میں ہے۔

عقل و وحی کو جدا کر دیا گیا، وحی کی جگہ سائنس (فزکس، بیالوجی وغیرہ) نے لے لی۔ سائنس کے قوانین کائنات کی وضاحت کرتے ہیں۔ علم و عقل انسان کو ایک اوزار کے طور پر فطرت(Nature) کو سمجھنے اور وضاحت کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ پہلے خدا کو محدود کیا گیا بعد میں خدا کے، ارادہ خدا کے اور روح کی بقا کا انکار کر دیا گیا، مادہ کو

مستقل اور قدیم سمجھا جانے لگا، صرف فطرت پر اعتماد کرنے لگے۔ ماڈرنزم کی طرف قدم اٹھایا گیا۔ بنیادی ترین محور مڈرنزم کا انسان محوری ہے، خود مختار و مستقل انسان، اب انسان قانون کو بنانے والا ہے۔

۷۔ ماڈرنزم میں سیکولرازم آگیا۔ سیکولزم یعنی دین اور دنیا میں جدائی۔ دین کا معاشرے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ قرون وسطی میں ساری مشروعیت دین سے تھی۔ شریعت سے مراد معاشرے کو چلانے کے قوانین دینا۔ ماڈرنزم نے کہا کہ اب ہم نے معاشرے کے قوانین دین سے نہیں لینے۔ معاشرہ قوانین کے بغیر نہیں چل سکتا ہے۔ پس اب ضرورت تھی نئے قوانین کی، تو اس کمی کو پوری کرنے کے لئے نئے نئے نظریات لائے گئے جو سب سیکولزم میں سماتے ہیں۔

۸۔ پھر علم و معرفت کا تقدس بھی ختم کر دیا گیا۔ معرفت عصری ہوتی ہے یعنی ہر معرفت اپنے دور کے خاص حالات کا حصہ ہوتی ہے۔

۹۔ ہر کام کے پیچھے ایک تفکر ہوتا ہے، آپ کے کام کا نتیجہ تفکر کی بنیاد پر نکلتا ہے اگر آپ کا تفکر درست ہے تو نتیجہ بھی درست نکلے گا، اگر تفکر غلط ہے تو کام کا نتیجہ بھی غلط ہو گا۔ ماڈرنزم کے تفکر کے پیچھے مکتب قدرت ہے جو کہتا ہے کہ انسان کا کمال قدرت میں ہے۔ انسان کا نقص کمزور ہونا ہے، جہاں پر زور ہو گا وہ حق ہے، عدالت کوئی حقیقت نہیں ہے پس طاقت کا قانون ہے جو طاقتور ہے وہ حق پر ہے۔ اس تفکر کو سیاست، تعلیم، اخلاق یعنی معاشرے کی تمام فیلڈز میں لایا جاچکا ہے۔

۱۰۔ مکتب قدرت کے تعلیمی سسٹم کا ہدف، نظام تعلیم کے ذریعے سے دنیا کے قدرتی وسائل کو حاصل کرنا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے صنعتی انقلاب کو لایا گیا۔ صنعتی انقلاب یعنیMass Production۔ جس کا مطلب ہے کہ بڑی تعداد میں مشینوں کے ذریعے اشیاء کی تیاری کرنا۔ اب استعمار کو ضرورت تھی ایسے افراد اور سسٹم کی جس کے ذریعے ان کے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے ان کی مرضی کے افراد تیار ہوں اور اس مقصد کے لئے نظام تعلیم (Mass Education) کا آغاز کیا گیا۔ اب اس کے ذریعے ایک بچہ (انسان) کی عقل کو طاقت (Energy) میں، پھر اس طاقت کو اپنے نفع میں تبدیل کیا جاتا ہے پس اب اس تعلیمی نظام کی بدولت افراد ان کے کنٹرول میں ہیں جن سے وہ بڑی تعداد میں افزائش اشیا(Products) کر رہے ہیں، اس کے بعد ضرورت تھی کہ لوگوں کے اوقات، اقدار، رہن سہن بھی ہمارے کنٹرول میں آجائیں اب ہم بتائیں گے کہ آپ نے روزمرہ کی زندگی کو کیسے گزارنا ہے کیا خریدنا ہے، کب سونا ہے، کب اٹھنا ہے، تاکہ جو اشیا ہم بڑے پیمانے پر تیار کریں ان کے خریدار بنائے جائیں۔ پس علم بھی استعمار کی خدمت میں، اخلاق بھی استعمار کی خدمت میں، توانائی بھی استعمار کی خدمت میں اور سیاست بھی استعمار کی خدمت میں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر نظام استعمار کی خدمت میں ہے۔

۱۲۔ اسلام دین کامل ہے، جامعیت رکھتا ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں (فردی، اجتماعی، مادی، معنوی،

ثقافت، سیاسی، نظامی، واقتصادی) میں دخالت اور نظارت رکھتا ہے۔ دین عین سیاست ہے۔
۱۳۔ زندگی کے تمام شعبہ جات میں مثلا اقتصاد، تعلیم، سیاست، میڈیا، حقوق، طب وغیرہ میں دین کی بنیادوں پر سسٹم بنانا ہے، پھر اس کی بنیاد پر معاشرے کو چلانا ہے اور پوری دنیا میں اسلامی کلچر جو عدالت و بھائی چارے کی بنیاد ہوگا، اس کا احیاء کرنا ہے۔ تمدن اسلامی سے مراد یہ ہے نہ کہ حوس اقتدار و مال و دولت کا حصول اور دنیا کے قدرتی وسائل کا لوٹنا۔

*****

References

1. Power, Daniel, *The Central Middle Ages: Europe 950–1320: 2006*, pp.304. The Short Oxford History of Europe. Oxford, UK: Oxford University Press. ISBN 978-0-19-925312-8.
2. Brenton, Crane, Christopher John wa Robert LeWolf, *Tarikh Tamadan Gharb wa Mubani Ahn Dar Shirak*, Vol. 1, 2, Mutrajam: Parvez Dariush, (Tehran, Ibn Sina, 1961), 232.
برینتون، کرین، کریستوفر جان و روبرت لی وولف، *تاریخ تمدن غرب و مبانی آن در شرق*، ج1، 2، ترجمہ پرویز داریوش، (تہران، ابن سینا، 1961)، 232۔
3. Taybah, Mahar Wazadah, *Mubani Filsafi wa Ajtamai Sakolarism wa madarnism*, (Tehran, Sazman Matalia wa Tadween Kutab Aloom Insani Danshgah ha, Markaz Tehqeeq wa Tosaa Aloom Insani, 2016), 26.
ماہر وزادہ، طیبہ . " مبانی فلسفی واجتماعی سکولاریسم ومدرنیسم . " تہران: سازمان مطالعہ وتدوین کتب علوم انسانی دانشگاہ ھا، مرکز تحقیق وتوسعہ علوم انسانی، 2016)، 26۔
4. lokas, hunari, *Taarikh Tamdan az Kahan Tarin Rozgar taa Sadah ma*, Vol. 1, Tarjamah: Abdal Husain Azaring, (Tehran, kahan, 1987), 510 .
لوکاس، ہنری، تاریخ تمدن از کھن ترین روزگار تاسدہ ما، ج1، ترجمہ: عبدالحسین آذرنگ، (تہران، کیہان، 1987)، 510۔
5. Taybah, Mahar Wazadah, *Mubani Filsafi wa Ajtamai Sakolarism wa madarnism*, (Tehran, Sazman Matalia wa Tadween Kutab Aloom Insani Danshgah ha, Markaz Tehqeeq wa Tosaa Aloom Insani, 2016), 7.
طیبہ، ماہر وزادہ، *مبانی فلسفی واجتماعی سکولاریسم ومدرنیسم*، (تہران، سازمان مطالعہ وتدوین کتب علوم انسانی دانشگاھا، مرکز تحقیق وتوسعہ علوم انسانی، 2016)، 7۔
6. Fardek, Mair, *Tarikh Filsafah Tarbeti*, Qasmat Awal, Tarjamah: Ali Asaghar Fiyaz (Tehran, Bangah Tarjamah wa Nashar Kitab, 1971), 232.

فردیک، مایر، تاریخ فلسفہ تربیتی، قسمت اول، ترجمہ: علی اصغر فیاض (تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، 1971)، 232۔

7. Taybah, *Mubani Filsafi wa Ajtamai Sakolarism wa madarnism*, 36.

طیبہ، مبانی فلسفی واجتماعی سکولاریسم ومدرنیسم، 36۔

8. Weliyam, Durant, *Tarikh Filsafah*, Tarjamah: Abbas Zaryab (Tehran, Chap Danshjo, 1992), 234 .

ویلیام، دورانت، تاریخ فلسفہ، ترجمہ: عباس زریاب (تہران، چاپ دانشجو، 1992)، 234۔

9. Taybah, Mahar Zaadah, *Filsafah Tarbeti Kant*, (Tehran, Sarosh, 2000), 78-91.

طیبہ، ماہر زادہ، فلسفہ تربیتی کانت، (تہران، سروش، 2000)، 78-91۔

10 . Fardarik, Coppleston,*Tarikh Filsafah az Walf Taa Kant*, Vol. 6, Tarjamah: Ismail Sadat wa Manochhar Buzurgamehr (Tehran, Sharkat Intasharat Almi wa Saqafti wa Intasharat Sarosh, 1993), 349.

فردریک، کاپلستون، تاریخ فلسفہ از ولف تا کانت، ج6، ترجمہ: اسماعیل سعادت و منوچہر بزرگمہر (تہران، شرکت انتشارات علمی و ثقافتی وانتشارات سروش، 1993)، 349۔

11 . Ashtafan, Kornar, *Filsafah Kant*, Tarjamah: Ezat Ullah Foladond (Tehran, Sharkt Intasharat Khwarzami, 1988), 321.

اشتفان، کورنر، فلسفہ کانت، ترجمہ: عزت اللہ فولادوند (تہران، شرکت انتشارات خوارزمی، 1988)، 321۔

12. Barinton, Karin, *Karistofer Jaan wa Robarat Li Wolf, Tarikh Mogharbi Tamdan wa Mobani Ahn dar Sharg*, Vol. 1,2, Tarjamḥ: Proyz Dariosh (Teḥran, Ibne Sina, 1961), 276.

برینتون، کرین، کریستوفر جان و روبرت لی وولف، تاریخ مغربی تمدن و مبانی آن در شرق، ج1،2، ترجمہ: پرویز داریوش (تہران، ابن سینا، 1961)، 276۔

13. Ali Muhmmad Naqvi, I*slam wa Meli Gerayi ya Nasolizam az Didegaḥ Islam*, (Teḥran, Daftar Nishar Saghaft Islami, 1981), 53.

علی محمد نقوی، اسلام وملی گرایی یا ناسولیزم از دیدگاہ اسلام، (تہران، دفتر نشر ثقافت اسلامی، 1981)، 53۔

14. Hamid Anayat, *Seri dar Andeshah Siyasi Arb (Andeshah wa Ejtama)*, (Tehran, Sharkt Saami Kitab hai Jeebi, 1977), 257.

حمید عنایت، سیری در اندیشہ سیاسی عرب (اندیشہ واجتماع)، (تہران، شرکت سہامی کتاب ھای جیبی، 1977)، 257۔

15. Ali Asghar Kazmi, *Buhran Moasharḥa Madran, Zaval Saqafat wa Ekhlag dar Farayand no Gerayi*, (Teḥran, Daftar Nishar Saghafat Islami, 1998), 104.

علی اصغر کاظمی، بحران معاشرہ مدرن، زوال ثقافت و اخلاق در فرایند نو گرایی، (تہران، دفتر نشر ثقافت اسلامی، 1998)، 104۔

16. Hussain Ali, Nozdi, Ahmad Naraghi, *Past Madarnitḥ wa Past Madarnism*, (Teḥran, Tarh No, 1995), 8.

حسین علی، نوزدی، احمد نراقی، *پست مدرنیتہ و پست مدرنیسم*، (تہران، طرح نو، 1995)، 8۔

17. D'Costa, Gavin, *The Impossibility of a Pluralist View of Religions*." Religious Studies 32.2 (1996): 225.

18. Murtaza Mutahri, Insan kamel, (Tehran, Baniyad Elmi wa Saqafti Istaad Shaheed Murtaza Mutahri, 2004), 215-222.

مرتضی مطہری، *انسان کامل*، (تہران، بنیاد علمی و ثقافتی استاد شہید مرتضی مطہری، 2004)، 222-215۔

19. Fardek Mair, Taarekh Filsafah Tarbeti, Qasmat Awal, Tarjamah: Ali Asaghar Fiyaz, (Teharan, Bangah Tarjamaha ww Nishar Kitab, 1971), 262.

فردیک مایر، *تاریخ فلسفہ تربیتی*، قسمت اول، ترجمہ: علی اصغر فیاض، (تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، 1971)، 262۔

20. Muhammad Ali Foroghi, Seer Hokmat dar Oropa, Vol. 3, (Teḥran, Intesharat Kitab Foroshi Zawaar, 1965), 194-206.

محمد علی فروغی، *سیر حکمت در اروپا*، ج3، (تہران، انتشارات کتاب فروشی زوار، 1965)، 194-206۔

21. Rooh Allah, Khomeini, *Sahifa Noor*, Vol. 10, 115.

رُوح اللہ، خمینیؒ، *صحیفہ نور*، ج10، 115۔

22. Ibid, Vol. 9, 3.

ایضاً، ج9، 3۔

23. Mahmudi, *Inqalaab Islami wa Nizam Jahni*, 434-439.

محمودی، *انقلاب اسلامی و نظام جہانی*، 434-439۔

24. Ruhollah, Khomeini, Aein Inqalaab Islami-*Gozidḥ e az Andishḥa ha wa Araye Imam khumani*, Vol. 1, Chaap: V (Teḥran, Mossḥa Tanzim wa Nishar Imam khumani, 2010), 139-157.

روح اللہ، خمینی، آئین انقلاب اسلامی۔ *گزیدہ ای از اندیشہ ھا و آرای امام خمینی*، ج1، چاپ پنجم (تہران، موسسہ تنظیم و نشر امام خمینی، 2010)، 139-157۔

25. Ruhollah, Khomeini, *Sahifha Imam*, Vol. 21, (Teḥran, Mossha Tanzim wa Nishar Asar Imam khomeini, nd.), 402-403.

روح اللہ، خمینیؒ، *صحیفہ امام*، ج21، (تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، سن ندارد)، 402-403۔

26. Ibid, Vol. 4, 447.

ایضاً، ج4، 447۔

27. Ibid, Vol. 2, 32.

ایضاً، ج2، 32۔

28. Ibid, 37.

ایضاً، ج2، 37۔